Lesson 3: Nahl (Ayaat 41- 64): Day 12

سُوۡرَۃُ النّحل کی تفسیر

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَ ہُمۡ دٰخِرُوۡنَ

﴿۴۸﴾ کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) خدا کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں

یعنی دیکھو اور غور کرو اور کائنات کو دیکھو۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کے سامنے جھکی ہوئی ہے، تم کیوں اکڑتے ہو۔ تمہارے سائے بھی اللہ کے سامنے جھکے ہوئے یَّتَفَیَّؤُا کا مطلب، لوٹنا اور پلٹنا۔ ظِلٰلُہٗ ، ظِل کی جمع ہے اور شَّمَآئِلِ شمال کی جمع ہے، سورج جب نکلتا ہے تو اس کا سایہ ایک طرف ہوتا ہے اور جب ڈھلتا ہے تو اس کا سایہ دوسری طرف ہوتا ہے۔ سورۃ رعد کی آیت 15 میں بھی ہے کہ اللہ کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ تم کیوں بڑا بنتے ہو۔

کبھی خوشی کے موقع پر انسانوں کا ردعمل دیکھیں، ایسے لگ رہا ہوتا ہے کہ انسان اپنے کپڑوں سے باہر نکل رہا ہے۔ چار پیسے کیا آ گئے کسی کی بات سننے کا سلیقہ نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر لوگوں کو بن کر دکھاتے ہیں کہ ہم کیا چیز ہیں اور خاص طور پر یہ آیت اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔ جب انسان ایسے مکر کرے کہ دین یا دنیا کے نام پر اللہ کے حکموں کو ٹوٹتا ہوا دیکھ کر اس کو کوئی غیرت اور جوش نہ آئے۔ اللہ تعالی کہتے ہیں تم نہ جھکو، تمہارا سایہ تو جھکے گا اور سایہ کبھی آسمان پر نہیں آتا۔ سایہ کب جھکتا ہے جب روشنی پڑتی ہے، اسی طرح جب انسان پر وحی کی روشنی پڑتی ہے تو پھر جھکتا ہے۔ اندھیرے میں کبھی سایہ نہیں آتا اور سایہ ہمیشہ زمین پر جھکتا ہے۔ جس طرح روشنی سے ہمارے

سائے زمین پر جھکتے ہیں، اسی طرح وحی کی روشنی سے اللہ تعالی ہمارے دلوں کو کھول دیتا ہے۔ یہی بات کہی جارہی ہے کہ تم اس رسول کی دعوت کو نہیں مانتے، حالانکہ جس دعوت کو یہ رسول دیتا ہے، کائنات کی ہر چیز اس کا عملی ثبوت دے رہی ہے۔ تو جھک جاؤ، عاجز بنو، خوشی ہو، چاہے غم ہو، چھوٹے بن کے رہو۔ اور اپنے آپ کو اللہ کے آگے رکھو۔ جب سورج چڑھتا ہے تو سایہ دائیں طرف ہوتا ہے اور جب سورج ڈھلتا ہے تو سایہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ تو دونوں کا اشارہ کر کے بتادیا کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے جھکتی ہے، تو تم بھی عاجز بن جاؤ۔ خود سے پوچھیئے کتنی عاجزی آئی ہے۔ بہت سارے لوگ اپنا سر تو اللہ کے سامنے جھکا دیتے ہیں لیکن اپنی عقل نہیں جھکاتے۔ بہت سارے لوگ اپنی ناک تو زمین پر رکھ دیتے ہیں لیکن اپنی انا نہیں جھکاتے۔ بہت سارے لوگ رکوع میں تو چلے جاتے ہیں لیکن اندر سے نہیں جھکتے۔ انسان کا اصل اس وقت پتہ چلتا ہے جب اس کے اوپر کوئی خوشی کا موقع آتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جو انسان کو اس کی اوقات دکھاتا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔ لفظ دَآبَّةٍ، دبیب کی جمع ہے آہستہ آہستہ چلنے والی چیزیں۔ حدیث کا خلاصہ ہے کہ آسمان چر چرا رہا ہے جیسے کوئی بھاری چیز کرسی پر رکھ دی جائے، اور فرمایا وہ کیوں نہ چر چرائے کیونکہ چار انگل کی جگہ بھی آسمان پر خالی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے آگے جھکا ہوا نہ ہو۔ تصور میں خانہ کعبہ کا منظر لے آئیں۔ آسمان پہ

اتنے جھکتے ہیں، زمین پہ اتنے جھکتے ہیں۔ میں ایک نہیں جھکوں گی تو کیا فرق پڑے گا۔ اللہ تعالی کہتے ہیں جھک جاؤ میرے، آگے کمزور ہو جاؤ، بات سمجھ آئے کہ نہ آئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ بعض دفعہ لوگ اپنی نافرمانیوں کے لمبے دلائل دیتے ہیں۔ سب سے پہلے نافرمانی جو اس زمین پر ہوئی تھی وہ سجدے کا انکار تھی۔ سجدے کا انکار اصل میں عاجزی کا انکار تھا۔ ہم سب کے اندر جو چیز اللہ کو مطلوب ہے وہ عاجزی ہے۔ جھکا کریں کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ خوشی کے موقع پر اگر اچھل کود بھی لیں تو اس کے بعد جو اللہ نے ہمیں بستر پر ڈالنا ہے تب چیخیں نکلیں گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی فنکشن کے بعد گھر کے لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ ہم گھوڑے بیچ کے سوئے، دو دو دن تک سوئے رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تھکن بہت ہے، اتنی راتوں سے جاگے ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ سزا ہوتی ہے کسی بھی گناہ کی۔ محفل سے اٹھیں اور پھر آپ کے دل پہ اور دماغ پہ بوجھ ہو اور آپ کے جسم پر بوجھ ہے تو مان لیجیے کہ اللہ نے آپ کو پکڑنے کا انداز کیا ہے۔

تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ تم جو مرضی کر و اور علم زیادہ آنے سے عاجزی نہیں آتی۔ علم کی بات پر عمل کرنے سے عاجزی زیادہ آتی ہے۔ جو خود کو کچھ نہیں سمجھتا وہ بڑے بڑے کام کر کے بھی کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم ہلکی سی پلکیں جھکا کے اللہ کو دکھا دیں گے۔ عاجزی کیا ہے کہ اللہ کے بنو۔ یہاں کیا لفظ ہے کہ اپنے سے اوپر والے رب کو کو عاجز بن کر دکھاؤ۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ اوپر ہے اس کا غلبہ، اس کی بڑائی، اللہ آسمانوں پہ ہے۔ لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں؛

وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ پتہ کیا چلا کہ فرشتے تو ہیں ہی حکم ماننے کے لیے۔ سورۃ تحریم آیت نمبر چھ میں ہم پڑھیں گے لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، کیا پتہ چلا کہ اگر ہم اس زمین پر چل پھر رہے ہیں تو صرف اللہ کے صبر اور اس کے تحمل کی وجہ سے، زندگی کا کیا نقشہ بن جاتا ہے۔ آپ صرف رمضان اور عید کا فرق ہی دیکھ لیں۔ نمازیں کہاں جاتی ہیں۔ وہ وقت سے پہلے وضو کر کے بیٹھنے والی بعض دفعہ دعوتوں میں بھول جاتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ہمارے ہر کام کا اثر ہماری عبادت پر آتا ہے۔ ابھی تو صرف عبادت کی بات ہے، بندگی کی تو بعد میں ہے۔ نماز پڑھ کے بھی ضروری نہیں ہے کہ انسان بندہ بن جائے۔ نماز پڑھنے کے دوران جب عقل اور دماغ جھکتا ہے کہ میں کیا ہوں تو پھر سمجھ آتی ہے۔ کوئی نہ کوئی ایک کام روز کا ضرور کریں، جس سے بندہ بن جائیں، چاہے باسی روٹیاں کھائیں، یا پرانے پھٹے ہوئے کپڑے سی کر پہنیں۔ چاہے اپنے آپ کو عاجز اور سادہ بن کر کوئی بھی کام کریں کہ میری یہی اوقات ہے۔ میں نے یہی کرنا ہے۔ میرے جسم کا اس سے زیادہ حق نہیں ہے۔ بڑے بننا یہ کبر ہے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر پیچھے پڑ جانا۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ عاجزی لے کے آؤ۔ جب کائنات جھکی ہوئی ہے تو تم بھی جھک جاؤ۔ جب ہم نہیں جھکتے تو کسی کا کچھ نہیں جاتا، شیطان نہیں جھکا تو کسی کا کیا بگڑا۔ قیامت تک کے لوگوں کے گناہ اس کے سر ڈال دئے۔ آیت سجدہ ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ ممبر پر ابن عمر نے یہ سورت نحل پڑھی تو سجدہ کیا پھر دوسرے موقع پر پڑھی تو سجدہ نہ کیا نافع نے پوچھا سجدہ کیا اور پھر نہ کیا یہ کیا ہے؟ تو فرمایا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ یعنی کر لو ٹھیک ہے نہ کرو تو غلط نہیں ہے۔ موقع ملے تو ضرور کر لینا

چاہیے۔ اگر ہم تھوڑا سا بھی جھک کر سجدہ کر سکتے ہیں تو اس کی کمی پوری ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح سجدہ تلاوت کی آیت پڑھ کر فوری سجدے میں چلے جاتے ہیں، اس طرح اللہ کا حکم مان کر بھی اس کے راستے پر چلنا چاہیے۔ اب اگلی آیتوں میں خاص طور پر پھر سے ان کے شرک کی باتیں اس وقت بیٹی کا معاشرے میں کیا مقام تھا آیتوں میں دیکھتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ اور خدا نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے۔ تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

جب دو نہیں بنا سکتے، تو کیا تین بنا سکتے ہیں۔ جب دو نہیں بنا سکتے تو اس سے زیادہ بھی نہیں بنا سکتے۔ اور یہاں لفظ اِلٰـهَيْنِ پہلے ہی تثنیہ ہے لیکن پھر اس کے بعد اس اثْنَيْنِ کہہ کر تاکید کی گئی۔ دو کی اجازت نہیں تو زیادہ کی کہاں سے ہو گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو مجوس تھے (آگ کو پوجنے والے) ان کا عقیدہ تھا کہ دو خدا ہیں۔ ایک کو خیر کا خدا اور دوسرے کو شر کا خدا کہتے تھے۔ خیر کے خدا کو وہ 'ہُرمن' کہتے تھے اور شر کے خدا کو 'یزداں' کہتے تھے۔ اسی طرح ہر دور میں غم کا خدا، خوشی کا خدا، زمین اور آسمان کا خدا کہا، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ کسی کو خدا نہ بناؤ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بے شک وہ تو ایک ہی معبود ہے فَاِيَّايَ بس مجھ سے ڈرو هُوَ غائب ہے فرمایا وہ ایک خدا ہے لیکن ساتھ ہی فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ متکلم ہے کہ مجھی سے ڈرو۔

اور سورت نحل اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ اللہ ہمارے بالکل قریب ہے۔ کبھی اس کے آگے جھکنے کے نام پر، کبھی پکڑ کے ڈر سے اور یہاں اللہ کے خوف کی بات کر کے کہا کہ تم مجھ سے ڈرو۔ رَهَب وہ خوف ہوتا ہے جو بے چین کر دے۔ کیا ہمیں یہ خوف لگا ہوا ہے، کیا ہم اللہ سے ڈرتے ہیں، کیا میں اللہ

کی پکڑ سے بے چین ہوتی ہوں، یا صرف منہ زبانی باتیں کرتی ہوں۔ ہم منہ سے بڑا کہتے ہیں کہ مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ وہی حضرت امام بخاری والی کیفیت کہ ایک رات میں ساٹھ ستر بار تڑپ تڑپ کر اٹھ رہے تھے، یہ خوف ہوتا ہے۔ انسان کو فکر لگ جائے کہ کہیں اللہ کی پکڑ نہ آ جائے۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے۔ تو تم خدا کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو۔

یہاں ایک اور رنگ میں بات سمجھائی کہ جب تمہارے دل میں اللہ کا خوف آئے گا تو تمہیں اس کے بعد جو چیز ملے گی وہ اطاعت ملے گی۔ یہاں جو لفظ 'دین' ہے یہ اطاعت اور اخلاص کا نام ہے۔ عبادت سجدے کی حد تک ہو جاتی ہے لیکن کسی کا دیندار ہونا، اس کی نماز روزے سے نہیں دیکھیں گے، یہ دیکھیں گے کہ وہ عملی زندگی میں اللہ کی بات کتنی مانتا ہے۔ وَاصِبًا کا لفظ وصب، سے ہے کسی ایک حالت پر دوام۔ زائل نہ ہونے کے معنوں میں۔ سورۃ صافات آیت نمبر 9 میں بھی یہی لفظ ہے وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ یہ ان کے اوپر چپکنے والا عذاب ہمیشہ رہے گا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ تمہارے اندر اس طرح کی بے چینی آ جائے کہ تم گناہ پر جم نہ سکو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز جب گورنر تھے تو کسی کو ناحق سزا دے دی۔ اپنے اوپر کے حکمرانوں کے خوف سے۔ جب اپنی وہ غلطی یاد آتی تھی تو بستر سے اٹھ کر رونے لگ جاتے تھے۔ پھر ان کی بیوی تسلی دیتی تھی کہ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کا وہ گناہ معاف کر دیا ہو گا۔ اور ہم تو استغفار کی تسبیح پڑھتے ہوئے بھی مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے اندر اپنے گناہوں کا خوف کیوں نہیں آتا۔ تڑپ تب ہوتی

ہے جب گناہوں کو گناہ سمجھیں اور غلطی کو غلطی مانیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ سب کر رہے ہیں کرو۔ ہم کس چیز کی معافی مانگیں۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اللہ کے ساتھ مقابلہ کر کے بندہ ہی ہارتا ہے اللہ نہیں ہارتا، سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 22 میں بھی آتا ہے یہ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ہو کر رسوا کیے ہوئے بیٹھو گئے پھر اسی طرح سورۃ الانبیاء آیت نمبر 22 میں بھی دو خداوں کا ذکر ہے وَلَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ اگر اس زمین میں دو خدا ہوتے تو زمین و آسمان دونوں بگڑ جات۔ اللہ کی بات مستقل اور مسلسل مانی ہے۔

یہاں جو بار بار شرک کی باتیں آرہی ہیں تو شرک کا نقطہ آغاز تقویٰ کے نہ ہونے سے ہوتا ہے۔ جب ہم اللہ کا خوف پیدا کرتے ہیں پھر ہم کبھی کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر نہیں لے کے آتے۔ تو سوچیں کہ اگر میں اللہ کی بات نہیں مانوں گی تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن میرا ضرور بگڑے گا۔ پہلے خوف دلایا اب نعمتوں کی طرف اظہار ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو۔

اپنی نعمتوں کو سوچیے مادی، مالی، جسمانی، معنی روحانی، 'ما' سے مراد کوئی بھی نعمت ہو، کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ اسی کے سامنے تم فریادیں کرتے ہو۔ یعنی جب اپنی دی ہوئی نعمت وہ واپس لیتا ہے پھر چیختے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ شاید وہ کوئی تمہاری چیز لے گیا۔ آپ چند دن کسی کے پاس اپنی چیز رکھوا دیں اور پھر واپس لے لیں، اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے آپ سے گلہ کرنے کا۔ تو جب انسان

نعمتوں کا غیر ضروری استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالی اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے، پھر انسان چیختا ہے۔ یہ جو لفظ ہے تَجْئَرُوْنَ جوار سے ہے بلند آواز سے چلانا۔ سورہ مومنون کی آخری رکوع میں پڑھیں گے جانور کا ڈکارنا، یعنی جب چیز جاتی ہے پھر روتے دھوتے ہیں۔ جب مدد کے لئے کسی کو پکارنا ہو یہ آواز نکلتی ہے۔ وحشی جانوروں کی آواز، شکار کے وقت ہرن کے اندر سے جو آواز نکلتی ہے وہ تَجْئَرُوْنَ ہے۔ سوچئے جب نعمت جاتی ہے تو اس وقت میرا حال کیا ہوتا ہے۔ ہم خوشیوں میں اللہ تعالی کو پکاریں تو غموں میں اللہ ہماری جلدی سنتا ہے۔

ایک روایت کا خلاصہ ہے کہ جو اللہ تعالی کو آسانی کے وقت زیادہ پکارتا ہے اللہ اس کی ضرورت کے وقت مدد کرتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی پکار جب عرش پر گئی تھی فرشتوں نے سنا تو کہا یہ آواز تو جانی پہچانی ہے۔ پھر غور کیا تو کہا یہ تو یونس کی آواز ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بڑی دور سے آ رہی ہے۔ بعض دفعہ جب بعض نعمتیں بہت دیر تک رہتی ہیں تو ہم کہتے ہیں اب اس میں ہم نے اللہ کو کیا پکارنا ہے۔ جب کبھی دل کو روگ لگا ہو تو پھر نماز کا مزا دیکھیں۔ پھر تو جائے نماز سے اٹھنے کو دل نہیں کرتا۔ کہتے ہیں میرا فضول باتوں میں دل نہیں لگتا تو اللہ تعالی کہتے ہیں جس طرح تمہاری نعمت جانے پر کیفیت ہے، جب تک نعمت ملنے پر یہ کیفیت نہ ہو، تمہیں بہت بڑی خوشی آئے اور تم کہو کہ میرا نہیں بولنے کو دل کر رہا۔ تم کو دو، اُچھلو میں تو اپنے رب سے باتیں کر رہی ہوں۔ جب خوشیوں میں یہ کیفیت آتی ہے تو پھر بات سمجھ آتی ہے اور اصل خلاصہ یہی ہے کہ خوشی ہو یا غم صرف اللہ کے بن کے رہو۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ستاسٹھ میں بھی یہی بات ہے۔ سورۃ یونس آیت نمبر 107 میں بھی یہی بات ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ اس لئے فرمایا کہ تم اللہ کو پکارو؛

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے خدا کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔

وہ کونسا شرک کرتے ہیں۔ ان کی نمازوں میں شرک، روزوں میں شرک، یعنی جب تکلیف پہنچی تو کہا یہ ہماری وجہ سے ہوا۔ یہ ہم نے کیا۔ یہ کَشَفَ کا لفظ اس کا معنی ہے پردہ اٹھانا۔ سورۃ الانعام آیت نمبر 64 میں اللہ تعالی نے کہا يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ، وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں اس سے نجات دیتا ہے اور باقی ہر چیز سے بھی۔ سورت زمر آیت نمبر 8 میں ہے کہ، مزے اڑالو پھر بعد میں پکڑ ہو گی۔ سورۃ حجر چودھویں پارے کی پہلی آیت میں بھی ہم نے پڑھا ہے ذَرْهُمْ چھوڑ دیں ان کو کھائیں پیئیں جیسے جانور کرتے ہیں۔ تو بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک انسان اللہ کو نہ خوشی میں پکارے نہ غم میں پکارے وہ انسان ہی نہیں ہے۔ یہ سب کیوں کرتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ تاکہ جو (نعمتیں) ہم نے ان کو عطا فرمائی ہیں ان کی ناشکری کریں تو (مشرکو) دنیا میں فائدے اٹھالو۔ عنقریب تم کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا

ان آیتوں کا ایک تعویذ بنا کر ہر وقت اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہیے۔ اپنے بچوں کو بچیوں کو اور خود کو نصیحت کریں۔ جب زندگی میں کوئی خوشی ملے تو خوشی دینے والے کو نہیں بھولنا۔ "الحمدللہ" کہنے سے نعمت پر مہر لگ جاتی ہے۔، کسی کے بہن، بھائی، بچوں کی کوئی خوشی ہو، ایک دم سے ہمیں نعمت ملی، اس کے بعد جو ہمارا کردار ہوتا ہے، وہ اصل چیز ہے۔ خوشی مل جائے اور آپ نے خوشی دینے والے کو ناراض کیا تو سمجھ لیں کہ آپ نے اپنی خوشی کو رسک پہ پر رکھ دیا۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ آپ نے دروازہ ہی کھول دیا تو فتنہ آجائے گا۔ 'شکر' کرتے ہیں تو وہ ایک طرح کی سیل لگ جاتی ہے۔ شکر کرنے

سے نعمت محفوظ ہو جاتی ہے۔ ساری بات میں پیغام یہ ہے کہ جتنی بڑی خوشی ملے جتنی بڑی نعمت ملے اُتنا اللہ کا شکر ادا کریں۔ مثلاً اللہ تعالی نے آپ کو اولاد نہیں دی اور اب اللہ نے آپ کو امید لگا دی، اولاد کی امید ایک نعمت ہے اور اس اُمید کے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں۔ چھُٹی، آرام، نماز ضائع، خود سے سوچ لیتے ہیں کہ ہم بیمار ہیں۔ اللہ تعالی کہتے ہیں اور نعمت کا شکر ادا کرو۔ چلو شادی نہیں ہو رہی تھی، اب ہو جائے گی تو شکر کرو۔ گھر نہیں تھا، ایک روگ لگا ہوا تھا۔ اب گھر مل گیا تو اس کو سجانے میں نماز ضائع نہ کرو۔ تو جتنا شکر کریں گے اتنا ہی اللہ تعالی نعمتوں کو بڑھا دے گا۔ مکہ والوں کو صرف ایک ہی نعمت کا اظہار کروایا جا رہا ہے اور وہ نبی کی صورت میں تھا کہ دیکھو اللہ نے اپنا آخری نبی پیارا نبی، بدر منیر، سراج منیر نبی کتنا پیارا اللہ نے نبی دیا لیکن تم نے اس نبی کی قدر نہ کی۔ تم نے اس نبی کی بات رد کر دی اور اس کے مقابلے میں کیا کیا؟

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾ اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ایسی چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو جانتے ہی نہیں۔ (کافرو) خدا کی قسم کہ جو تم افتراء کرتے ہو اس کی تم سے ضرور پرسش ہو گی۔

سورۃ انعام والی وہی بات کہ مکہ والوں کی وہی عادت جس کا تذکرہ وہاں ہوا تھا، اپنی کھیتیوں کا تین حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ اللہ کے راستے میں، ایک اپنی ضروریات پہ اور ایک بتوں کے نام پر۔ جب بتوں کے نام پر فصل نہیں آتی تھی تو اللہ والی فصل بتوں کو دے دیتے تھے۔ وہی بات ادھر ہے کہ تم اللہ کے معاملے میں حصے بکھرے کرتے ہو۔ تم نے اپنی زندگی کے مختلف حصے رکھے ہوئے ہیں۔ تم اپنی ساری چیزوں میں اللہ کا حصہ رکھتے ہو، لیکن تم اللہ کے حصے میں سے بھی دوسروں کو دے دیتے

ہو۔ سورۃ الانعام آیت نمبر 136 میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ آج ہمارا کیا حال ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیے۔ مال ملتا ہے کتنا حصہ ہے، وقت کے کتنے حصے بانٹے ہوئے ہیں، اللہ کو کتنا وقت دیتی ہوں اور دوسری چیزوں پر کتنا لگاتی ہوں۔ اللہ کہتے ہیں کہ ان ساری چیزوں کا حساب تم سے ضرور پوچھوں گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ ان کو خود نہیں پتہ بس گمان رکھے ہوئے ہیں، کہ یہ ہمارے فلاں بت کو پہنچتا ہے، یہ ہمارے فلاں کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالی کہتے ہیں یہ سب باتیں اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ کسی کی بات ہے کہ کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس کو کسی نے کہا کہ ایک گڑیا لو، جو بچوں کا کھلونا ہوتی ہے۔ پھر اس کے منہ میں فیڈر ڈال کے قبر پر چھوڑ آو تو اس کی برکت سے اللہ تمہیں اولاد دے دے گا۔ یہ ہے لاعلمی جہالت لوگ اصل مسئلہ نہیں پڑھتے۔ اس طرح کے کام کرتے سوچتے ہیں کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ اسی طرح کی ایک عادت قبیلہ خزاعہ اور قبیلہ کنانہ کی تھی۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ (اور) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لیے (بیٹے) جو مرغوب ودلپسند ہیں۔

یعنی اللہ کی اولاد کے طور پر بیٹیاں منسوب کرتے تھے اور اپنے لیے بیٹے پسند کر لیتے تھے۔ یہ بات پیچھے بھی گزر چکی ہے کیا کرتے ہیں،

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ ﴿۵۸﴾ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔

یہ جو لفظ ہے ظَلَّ، دن کے وقت کسی کام کے ہونے کو کہتے ہیں۔ ظل سائے کو کہتے ہیں۔ دن میں انسان کے جذبات چھپتے نہیں ہیں، تو گویا کہ بہت کھل کے اس کے غم کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا اُلٹ ہوتا ہے رات۔ رات میں کسی کام کا ہونا، ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں اور مُسۡوَدًّا، اَسۡوَدُ سے ہے۔ اسی سے لفظ مُسۡوَدًّا ہے۔ سود کی جمع ہے۔ سود کو سود کہتے اس لئے ہیں کہ یہ بلیک منی ہوتی ہے۔ اسی کے پھر مونث آگے سودا آتی ہے، کالی عورت کو سودا کہتے ہیں۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ کا نام بھی سودا تھا اور وہ بھی سیاہ رنگ کی تھی۔ مراد یہ کہ بیٹی کی خبر سے ان کا رنگ کالا پڑ جاتا ہے اور وَّهُوَ كَظِيۡمٌ اور وہ خون کے گھونٹ بھرتا ہے كَظِيۡمٌ کا لفظ ک، ظ، م، سے ہے۔ غم سے بھرے ہوئے شخص کو کہتے ہیں۔

وَاِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ حضرت یونس کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا اور اس وقت وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔ عربی میں کہتے ہیں مشک کا منہ بند کر دو، مشک کے اندر جب پانی بھر لیتے تو اس کا منہ آگے سے ٹائیٹ کر دیتے تھے مَكۡظُوۡمٌ سانس کی نالی کو کہتے ہیں، جہاں سے پھر سانس جاتا ہے۔ پیچھے لفظ آتا ہے سورۃ آل عمران وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ اور غصے کو پی جانے والے، یہ نہیں کہ غصہ نہیں آتا، لیکن غصے کو پی جانے والے، اور صورت زخرف میں بھی آیت 17 میں بھی آتی ہے وَاِذَا بُشِّرَ جب خبر دی جاتی ہے ان کو بیٹی کی۔ یہ كَظِيۡمٌ کا لفظ سورت یوسف میں پڑھ چکے ہیں، حضرت یعقوب کے بارے میں کہ ان کی آنکھیں غم کی وجہ سے سفید ہو گئیں اور وہ خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔ کیفیت دیکھئے کہ اپنی بیٹی کی خبر سن کے تو خون کے گھونٹ پیتا ہے اور اللہ کے لئے فرشتوں کو بیٹیاں کہتا ہے۔ اصل میں قبیلہ خزایہ اور کنانہ کا عقیدہ یہ تھا کے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ہر قبیلے کا

الگ بت ہوتا ہے۔ تو اللہ کہتا ہے اچھا، تم میرے لئے تو بیٹیاں بناتے ہو اور اپنی بیٹی کی بات آئے تو اتنا دکھی ہوتے ہو۔ یاد رکھیں جب مکہ والوں کے ساتھ ذکر ہو تو بیٹیوں کا شرک تھا اور اہل کتاب میں سے شرک کی بات ہو تو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بناتے ہیں۔ تو اللہ کہتا ہے تم میرے بیٹے بناتے ہو قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائے تو مطلب ہے کہ اللہ کو نہ بیٹا چاہیے نا بیٹی چاہیے۔ اب وہ مسئلہ تو چھوڑیں آگے دیکھیں جو بیٹیوں کے ناطے سے لوگوں کا حال ہے

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ

﴿۵۹﴾ اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

يَتَوَارٰى معنی چھپنا ہے، وَارٰ بھی اسی سے ہے۔ آڑ، رکاوٹ، حد فاصل، دو چیزوں کو الگ کرنے والی چیز۔ آگے کے لئے بھی آتا ہے پیچھے کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں مراد ہے کسی کو فیس نہیں کرنا۔ سُوْٓءِ کے لفظ سے مراد ہر وہ چیز جو دوسرے کو غم میں ڈال دے۔ یعنی بیٹی کی خبر سن کے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ بُشِّرَ کا لفظ ایک طعنہ ہے کہ جب بیٹی کی خبر ملتی ہے محسوس کرتا ہے اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اس کے باوجود روکے رکھے، اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ یا مٹی میں دفن کر دے۔ یعنی غم پڑ جاتا ہے کہ زندہ رکھوں یا زمین میں دفن کر دوں۔ ان الفاظ سے ہی بیٹی کی پیدائش پر اُنکی حالت کی منظر کشی ہو جاتی ہے۔ بہت خوبصورت طریقے سے اللہ تعالی نے ان کی یہ باتیں بیان کی ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ بیٹی کی خبر سن کر ذرا بھی خوشی نہیں ہوتے۔

سوسائٹی میں کل کی بات ہو یا آج کی ہو بیٹی حقیقت میں لوگوں کے لئے تکلیف کا سبب ہوتی ہے اور جتنی جہالت زیادہ ہوتی ہے اتنی بیٹیوں کی پیدائش کی خبر سن کر لوگ دکھی ہوتے ہیں۔ وہ تو وہ لوگ تھے آج اس معاشرے میں دیکھ لیجیے بیٹی کی پیدائش پر کوئی زیادہ خوشی نہیں ہوتی۔ جہاں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا کام شروع کیا، عورت کی کوئی عزت نہیں تھی۔ عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا۔ جب چاہو بدل لو۔ بیٹی ہوتی تو پیدا ہونے سے پہلے گڑھا کھودا ہوتا۔ عربوں میں بیٹیوں کو مارنے کا رواج تھا۔ وجہ کیا تھی نمبر، 1 کیوں کہ قبائلی سلسلہ تھا چونکہ جنگیں بہت ہوتی تھیں۔ لڑکے تو دفاع کرتے تھے لیکن لڑکیوں کی عزت کی حفاظت کرنی پڑتی تھی۔ ایک یہ وجہ تھی کہتے تھے ان کو مار دو۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ہماری دولت دوسرے قبیلے میں نہ چلی جائے تو بہتر ہے کہ لڑکی مار دو تو یہ دولت گھر کی گھر میں رہ جائے گی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ داماد کو آتا دیکھنا اور اس کے آگے ذرا جھکنا اپنے لئے بے عزتی کی علامت سمجھتے تھے۔

یہاں صرف بیٹیوں کی بات ہے مختلف طریقوں سے بیٹیوں کو مارتے تھے خاص طور پر قبیلہ 'مضر' اور 'خُذا' یہ بیٹیوں کو دفن کرتے تھے۔ یعنی جب عورت ڈلیوری پین میں ہوتی، اس وقت ایک گڑھا کھود کے رکھتے، جونہی خبر ملتی کہ بیٹی پیدا ہوئی ہے تو اس کو ماں کی پیٹ کی قبر سے نکال کر اس کو زمین کی قبر میں ڈال دیتے۔ کچھ قبیلوں کا رواج یہ تھا کی چھ سال کی عمر تک بیٹی کو زندہ رکھتے، جب چلنے پھرنے کی عمر کو ہو جاتیں تو اس کو مار دیتے تھے۔ یہ رسمیں ہیں، ان کا سر پاؤں نہیں ہوتا۔ آج آپ اور میں استغفار کر رہے ہیں لیکن اگر یہ آج کے دور کی رسم ہوتی تو اُبٹن، مہندی کی طرح ہم بھی اس کو پورا کر رہے ہوتے۔ لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں معاشرے میں جو چیزیں ہوتی ہیں ان کو کرتا دیکھ کر

وہی کام کرتے ہیں۔ ایک صحابی تھے جو اللہ کے نبی صلی علیہ وسلم کے پاس جب بیٹھتے تو رو پڑتے۔ صحابہ نے پوچھا آپ کی کیا بات ہے تو کہتے کہ مجھے اپنی ایک بیٹی یاد آجاتی ہے۔ اللہ نے مجھے بیٹی دی تھی۔ چھ سال کی جب ہوئی، تو میں نے اپنی اس بچی کو ساتھ لیا اور اس کے ساتھ جنگل کا رخ کیا۔ وہ بچی میرے ساتھ جارہی تھی اور میں نے جاکے وہاں زمین کھودنی شروع کی۔ وہ بچی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے مٹی ہٹانے لگ گئی اور اس کے بعد اس نے میری انگلی پکڑلی۔ جب میں نے اس کو اس میں دھکا دینے کی کوشش کی، تو جو اس کے لفظ میرے کانوں میں آتے ہیں کہ ابا، ابا یہ کیا کر رہے ہو، اور وہ کہتا ہے کہ اس نے تب تک میری انگلی نہیں چھوڑی جب تک اس کی انگلی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اور آج یہ منظر یاد آتا ہے تو میں روتا ہوں۔ ان کی باتیں سن کر اللہ کے نبی بھی رو پڑے۔ کہتا تھا مجھے ایسے لگتا ہے میری بیٹی میرے کپڑوں سے مٹی جھاڑ رہی ہے۔ یادرکھیں کفر کے ساتھ دل سخت ہوتا ہے۔ کافر ماں اور باپ کے دل میں اولاد کے لئے محبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایک صحابی کہتے تھے کہ مجھے یاد نہیں 60 سے 70 بچیوں کو میں زندہ مار چکا ہوں۔ یعنی عام رواج تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ خاص طور پر ایک ایسی وہاں مہم چلتی تھی کہ جس کی بچی پیدا ہوتی تو اس کو دوسرے لوگ مار دیتے تھے۔ اسی طرح ایک صحابی کہتے ہیں کہ اس وقت بھی معاشرے میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ جب کوئی اپنی بیٹی کو مارنے لگتا تو وہ کہتے اس کو مارو نہ ہمیں دے دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دس اونٹ دیت لے لو اور یہ بچی ہمیں دے دو۔ بعض لوگ اس فعل کو برا بھی سمجھتے تھے۔

اس کے بعد اسلام نے عورت کو کتنی عزت دی۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کو جینے کا حق دیا ہے اور آج یہ عورت اسلام کا احسان نہیں مانتی۔ اسی طرح ایک مشرک کہتا ہے اگر کوئی کہتا کہ یہ قرآن محمدؐ نے لکھا ہے تو میں کہتا کہ اس قرآن کو محمدؐ نے نہیں بلکہ ایک عورت نے لکھا ہے۔ بیٹی، بیوی، ماں، بہن، 4روپ میں عورت کو عزت دلائی۔ بیوی کی کوئی عزت نہ تھی۔ عربوں میں اسلام کے غلبے کے بعد یہ کلچر ختم ہوا۔

آگے جاکے دیکھیں گے کہ اللہ تعالی نے ایک سورت میں اس چیز کا ذکر کر دیاوَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ بتا تیرا کیا جرم تھا جس میں تو ماری گئی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ اتنا ناراض ہو گا اس بچی کو مارنے والوں سے کہ بات نہیں کرے گا، بلکہ اللہ خود کہے گا اس بچی سے کہ بتا تیرا کیا قصور تھا۔ یہ ساری باتیں تو اس دور میں تھیں، آج کے دور میں بیٹی کو کیسے مارا جاتا ہے؟

نمبر 1 ایبارشن، آج ایسے الٹرا ساؤنڈ موجود ہیں جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ بیٹا ہے کہ بیٹی۔ اگر فی بیٹی ہے تو اس کو مار دو۔ جب اسلام عربوں سے نکل کر ہندوستان تک پہنچا، وہاں بھی عورتوں کے ساتھ یہی ظلم تھا۔ جب عورت بیوہ ہوتی تو شوہر کے ساتھ ستی کیا جاتا، شوہر کو بھگوان کہنا اور اس کو رام سمجھ کر اس کی خدمت کرنا۔ وہ ہر اس بڑے کو جس کی عزت کرنا ہے رام کہتے تھے۔ بیوی شوہر کی ایسے بات مانتی جیسے خدا کی مانتی ہو۔ ایک بات بڑی مشہور ہے کہ مجازی خدا، یہ سب غلط اور ناجائز باتیں ہیں۔ عورت کا ستی ہو جانا فرض تھا اور اگر کوئی عورت نہ ہوتی تو اُسکو منحوس سمجھتے اور وہ خوشی میں شریک نہ ہو سکتی۔ دوبارہ اس کی شادی نہیں ہو سکتی اور سفید ساڑھی ساری زندگی اس نے پہننی ہے۔ سبز اور بھاری قدموں والی کہلانا ہوتا تھا اور پھر اس کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔

کچھ اعداد و شمار ہیں، آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں کہ آج کی اس ماڈرن دنیا میں کیا ہو رہا ہے جہاں ہم کہتے ہیں کہ عورت اور مرد برابر ہیں۔ انیس سو پچاسی سے 2005 تک دس ملین بچیوں کے جنین ضائع کروائے گئے۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ بچیاں تھیں اور یہ ہسپتال کی رپورٹ ہے اور یہ تعداد ایک کروڑ بنتی ہے اتنی بچیاں ضائع کروادی گئیں۔ پھر ڈان کی ایک رپورٹ ہے جنوری کے انہیں سالوں میں 5 لاکھ لڑکیاں انڈیا میں ماری گئیں۔ اور ایک سلوگن عام طور پر جیسے بینرز پہ عام کر کے دکھایا جارہا ہے کہ آج 500 دے کے الٹرا ساونڈ کروالو، پتہ چل جائے کہ بیٹی ہے تو اس کو مار کر پچاس ہزار کا جہیز بچالو۔ آج ہمارے ملکوں میں آج پچاس ہزار، پانچ کروڑ پے جاچکا ہے۔ یعنی یو، این او نے انڈیا والوں کو وارن کیا ہے کہ اگر اسی طرح بیٹیاں ماری جاتی رہیں تو انکا توازن بگڑ جائے گا۔ انڈیا کے کچھ علاقوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ لڑکوں کو شادی کے لیے لڑکیاں نہیں ملتیں۔ اس کا حل انہوں نے یہ نکالا ہے کہ تین چار مرد مل کر ایک عورت سے شادی کر لیتے ہیں اور اس عورت کو نہ صرف اپنی شوہر کی بیوی بننا پڑتا ہے بلکہ شوہر کے بھائیوں اور بعض اوقات اپنے سسر کی بیوی بننا پڑتا ہے۔

ٹائم میگزین کی راجستان کی ایک رپورٹ ہے کہ وہاں لڑکیاں بہت کم ہیں۔ انٹرویو والوں نے پوچھا کہ یہاں لڑکیاں کیوں نہیں ہیں تو کہا کہ بس لڑکی پیدا ہوتی ہیں تو مار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا بڑی بات ہے، جو نہی بچی پیدا ہوئی تو ماں ہی گردن مروڑ دیتی ہے۔ دہلی میں ماں نے پلاسٹک بیگ میں بچی کو ڈالا اور کھڈے میں پھینک دیا۔ آوارہ کتے اس کو کھا رہے تھے مرنے کے قریب کی حالت میں وہ بچی پائی گئی۔ ایک عورت جو بڑی ماڈرن تھی اس نے کہا کیوں اتنا ہنگامہ کھڑا کرتے ہو، کہا میں نے تو اپنی چار بچیوں کو مار دیا۔ پوچھا کیسے مارا، کہا یہ کون سی بڑی بات ہے دودھ ہی نہیں دیا۔ رو، رو کر مر گئیں۔ ہاں ایک بچی

نے مجھے بڑا ہارڈ ٹائم دیا، وہ دو دن تک روتی رہی اور پھر ٹھنڈی ہوئی۔ ایک اور رپورٹ ہے کہ ریت کا بیگ منہ پر رکھ کر بچی کو مسل دیا۔ پاکستان اور چائنہ میں بھی 60 ملین لڑکیاں ماری گئیں۔ بچوں کو زہریلا مادہ جو درختوں سے لیکوڈ کی شکل میں نکلتا ہے، وہ چھوٹی بچی کو پلا دیتے ہیں اور وہ مر جاتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تب تو اس وجہ سے مارتے تھے، آج کیوں مارتے ہیں؟

رپورٹس دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ جہیز کی وجہ سے لڑکیوں کو مارا جاتا ہے۔ کلر ٹی وی نہ لانے پر لڑکی کو مار دیا گیا، بھائی نے اپنی بہن کا جہیز لینے کے لئے اپنی کڈنی بیچ دی، سوچیے کہ جس اسلام نے عورت کو اتنی عزت دی، آج وہ عورت اسلام سے کتنی دور ہے۔ اگر ہم اسلام کے شکر گزار ہوتے تو کم از کم دنیا کی ساری عورتیں تو مسلمان ہو چکی ہوتیں۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ دیکھ لو تم بیٹیوں کے ساتھ کیا کرتے ہو بڑی خوبصورت حدیثیں ہیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں پتہ ہے کہ بہترین صدقہ کیا ہے، کہ وہ بیٹی جو طلاق یا بیوہ کے بعد اس کو پلٹا دی گئی ہو اور وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ یعنی بیٹی کے معاملے سے اتنی حدیثیں ہیں اتنی بیٹے پہ نہیں ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ جس کو اللہ نے بیٹی دی اور پھر وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کو اچھے کپڑے پہنائے اور اس کا خیال رکھے، تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے تین بیٹیوں کو پالا پوسا تو اس کو جنت کی خوشخبری ہے صحابی نے کہا جس نے دو کو پالا تو فرمایا اس کے لیے بھی۔

اور صحابی کہتے ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اللہ کے نبی کو ایک بیٹی کا بھی کہتے، تو نبی ﷺ نے اس پہ بھی یہی فرمانا تھا۔ اسلام تو بیٹی سے اتنا پیار سکھاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کو اپنی بیٹی فاطمہ سے کتنا پیار تھا۔ سفر پہ

جاتے توسب سے آخر میں ان کو ملتے کہ آخر میں ان کا لمس محسوس کریں۔ سفر سے واپس آتے توسب سے پہلے فاطمہ کو ملتے، فاطمہ آتی تو اپنی مزمل اُن کے لئے بچھا دیتے۔ پیار سے ان کو گلے لگاتے، اتنی محبت کرتے تھے اپنی بیٹی سے اور آج نہ جانے کہ ہمارا مزاج کہاں سے بن گیا کہ بیٹی ہو گی تو یہ ہو گا۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یہ ایسی باتیں کرکے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان ہی کے لیے بری باتیں (شایان) ہیں۔ اور خدا کو صفت اعلیٰ (زیب دیتی ہے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اشارہ اسی کی طرف ہے کہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ اللہ کو نہ تو بیٹیاں چاہیں اور نہ بیٹے، لیکن یہ اپنے آپ کو اس طرح کرکے اللہ کو مخلوق کے برابر لے آتے ہیں۔ اللہ اگر ان کو پکڑنا چاہے تو اس جرم پر ان کو کیسے پکڑے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑنے لگے تو ایک جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یہ جو تمہیں جینے کی مہلت دی ہوئی ہے، یہ تمہارا نصیب نہیں ہے۔

اللہ نے تمہیں اپنے پاس سے دیا ہوا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور یہ خدا کے لیے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور زبان سے جھوٹ بکے جاتے ہیں کہ ان کو (قیامت کے دن) بھلائی (یعنی نجات) ہو گی۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے (دوزخ کی) آگ (تیار) ہے اور یہ (دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔

یعنی کچھ بھی کریں ہمیں تو خیر ملنی ہے۔ آج بھی بہت سارے لوگوں کے ذہن میں ہے کہ ہم غلط کریں، برا کریں، اچھا کریں، ہمیں تو خیر ہی ملنی ہے۔ عزت، دولت، شہرت سرداری جو ملی ہے وہ صرف اس لئے ملی ہے کہ وہ تو اللہ نے ہمیں دینی ہی دینی ہے۔ اللہ تعالی کہتے ہیں یہ خوش فہمیاں سب نکل جائیں گی، لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ اور وہ اس میں آگے بڑھائے جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں تو یہ ان کا اپنا خیال ہے۔ اللہ تعالی نے ان کے لیے یہ باتیں نہیں رکھیں۔

ان آخری آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مثال پیش کرتے ہیں مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ اللہ کے مقابلے میں انسانوں کی یہ مثالیں ادنیٰ ہیں۔ اللہ کو اُن چیزوں کی ضرورت نہیں جو انسانوں کو ہوتی ہے اور دوسری بات کہ جب لوگوں کو دنیا میں گناہوں کے باوجود بھی بہت کچھ ملتا ہے تو وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى سورت کہف آیت نمبر چھتیس میں بھی ہم پڑھیں گے باغ والا ایک واقعہ جس میں

اس نے کہاوَّلَىِٕنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا اگر میں اپنے رب کی طرف پہنچ بھی گیا، تو اس سے بہتر باغ بنالوں گا۔ سورہ سباء میں ہے اور سورۃ مریم آیت نمبر 77 میں بھی یہی بات ہے کہ لوگ جب دنیا میں اپنی غلطیوں کے باوجود بھی سب کچھ پاتے ہیں تو سوچتے ہیں ہمیں وہاں بھی یہی کچھ ملے گا۔ بات یہ ہے کہ جب دنیا ملتی ہے تو اللہ سے قریب ہونے لگتے ہیں

تَاللّٰهِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے کردار (ناشائستہ) ان کو آراستہ کر دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے

جوش دیکھیے اللہ کی قسم کھا کر کہا جارہا ہے، جب دنیا میں خوش ہو کے بھی غلط کام کرتے ہیں تو کل جب پکڑ ہو گی تو ان کو پتہ لگ جائے گا کہ انہوں نے اللہ کو کتنا ناراض کیا اور اللہ ان پر کتنا ناراض تھا۔ اس لئے فکر کریں اور ان کے اعمال کون سے تھے جو شیطان نے ان کے لیے مزین کیے۔ پیغمبروں کی تکذیب اور نافرمانیاں شیخیاں بگھارنا، بڑے بڑے گناہ کر کے بھی کہنا کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا کہا الۡيَوۡمَ اور آج کے دن پھر وہ انکا ولی ہو گا۔ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے جس طرح پچھلی قوموں کو نبیوں کی نافرمانی پر پکڑا تو آج مکہ والے بھی پکڑے گئے اسی طرح الۡيَوۡمَ سے مراد دنیا اور قیامت کا دن بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گناہ کر کے لوگ بچے ہوئے ہیں تو یہ سب اللہ کا تحمل ہے۔

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس کے لیے جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو۔ اور (یہ) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

بالکل وہی انداز ہے جو ہم سورۃ یونس آیت نمبر 58،57 میں پڑھ چکے ہیں۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ سبق کے شروع میں بھی یہی بات تھی۔ آخر میں بھی یہی بات اور درمیان میں ان کی خرافات کا ذکر ہے۔

ہمارے لیے عمل کی بات یہ ہے کہ قرآن ہی وہ واحد سہارا ہے جو انسان کو گناہوں سے روکتا ہے۔ آج سننا چھوڑیں، کل سے اپنی نظروں میں بہت نیک ہو جائیں گے۔ یہ قرآن روز ہمیں کچوکے لگاتا ہے۔ کم از کم اس کو سن کر ہم اپنے غبارے میں سے ہوا تو نکلتی ہوئی محسوس کرتے ہیں۔ ایک گمان ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالی سے دعا کریں گے کہ وہ ہمیں عاجزی دے۔ اللہ کی پکڑ سے بچائے، غلط کاموں سے بچائے اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے ہم اس دنیا سے جائیں۔ نہ کہ اس کی نافرمانیوں کے ساتھ جائیں۔ آمین